معیار: علمی و تحقیقی مجلّہ، شعبۂ اُردو، بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد، جلد:۲، شمارہ:۱ جنوری-جون ۲۰۱۰ء

پاکستانی ثقافت

فیض احمد فیض*

[پاکستان ٹیلی وژن نے ایک زمانے میں" موضوعِ سخن" کے عنوان سے تقاریر کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ ان تقاریر میں پاکستان کی معاشرتی، تہذیبی، ادبی اور علمی زندگی کے مختلف مسائل پر گفتگو کی جاتی تھی۔ اس کے لیے ملک کے مؤقر اور نامور اہل فکر میں سے کسی کو دعوت دی جاتی کہ وہ کسی موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرئیں۔ اس سلسلے کا آغاز "پاکستانی ثقافت" کے موضوع پر گفتگو سے ہوا، جس کے لیے فیض احمد فیض کو مدعو کیا گیا تھا۔ گفتگو کے محرک پروفیسر سید وقار عظیم مرحوم تھے۔ زیرِنظر تحریر، جو اپنے موضوع کے لحاظ سے بھی اہم ہے اور اس اعتبا رسے بھی کہ ہمارے دو اکابر ادب اور دانش و روں کے خیالات پر مشتمل ہے، تاحال غیر مطبوعہ ہونے کے باعث نادر بھی ہے۔ یہ نادر تحریر **معیار** کے وسیلے سے پہلی بار اس صورت میں اشاعت پذیر ہو رہی ہے]

پروفیسر وقار عظیم:۔

جناب فیض کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ میں رسمی الفاظ استعمال نہیں کر رہا، ان کو یقیناً کسی تعارف کی ضرورت نہیں، ان کے کلام کے مجموعے ملک کے اندر اور باہر ہر جگہ مقبول ہیں۔ ''نقشِ فریادی'' سے لے کر'' سروادی سنیا'' تک ان کے پانچوں مجموعوں پر مجموعی حیثیت سے اگر آپ تبصرہ کریں تو یہ ہے کہ موجودہ دور کا طرزِ احساس ان میں بڑے خوش آہنگ انداز میں ایک تفسیر اور تعبیر کا عمل ایک ایسے لہجے میں اس کا اظہار ہوا ہے، جو جناب فیض احمد فیض کا مخصوص اور منفرد لہجہ ہے۔ اس میں نرمی ہے حلاوت ہے۔ شائستگی ہے ترنم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کلاسیکی روایت کا رچاؤ اور گھلاوٹ یہ اس لہجے کی خصوصیات ہیں جنھوں نے ان کے کلام کو پاکستان میں بل کہ پاکستان کی مدد سے باہر بھی مقبول اور معروف کیا ہے اور ان چیزوں کی موجودگی میں ظاہر ہے کہ فیض صاحب کے کسی رسمی تعارف کی گنجائش نہیں۔ دوسری بات اس موضوع سے متعلق یہ ہے کہ جب سے پاکستان بنا ہے ثقافتی اداروں اور ثقافتی مسائل سے اتنا گہرا تعلق رہا ہے فیض صاحب کا کہ جن لوگوں کو حق حاصل ہے ان مسائل پر گفتگو کرنے کا، فیض صاحب کا حق میرے نزدیک ان سب پر فائق ہے۔ انھوں نے رہبری بھی کی ہے اور اس مسئلے پر سوچا بھی ہے۔ ان کی باتیں سننے کے مشتاق بیٹھے ہیں، لوگوں کے ذہن میں جو پیچیدگیاں ہیں وہ دور ہوں۔ فیض صاحب شاعر کے علاوہ ایک استاد اور معلم بھی ہیں اور استاد اور معلم کا بات کرنے کا خاص طریقہ ہوتا ہے وہ مسائل کا مشاہدہ کر کے ان کا تجزیہ کرتا ہے اور

* (۱۹۱۱ء - ۱۹۸۴ء)

اس کو اپنے سننے والے یا پڑھنے والے کے سامنے ایک منطقی انداز میں پیش کرتا ہے۔آج کے مسئلے کے متعلق بھی مجھے یقین ہے کہ فیض صاحب تجزیاتی اور منطقی انداز میں جو کچھ فرمائیں گے، ان میں ایسی باتیں بھی ہوں گی جنھیں میں فکر انگیز کہوں تو مناسب ہے جو ہمیں سوچ پر مائل کریں گی اور اسی سوچ کا اظہار ان سوالوں کی شکل میں ہوگا جو یہاں تشریف رکھنے والے خواتین وحضرات فیض صاحب سے پوچھیں گے۔اب میں آپ کے اور فیض صاحب کے درمیان زیادہ حائل ہوئے بغیر آپ سے اجازت چاہتا ہوں اور فیض صاحب سے درخواست ہے کہ وہ تشریف لائیں اور اس موضوع پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

فیض احمد فیض:۔

موصوف تو غالب کے طرف دار ہیں اس لیے جو کچھ انھوں نے فرمایا اگر چہ میں اس کا اہل نہیں ہوں لیکن شکر گزار ہوں۔ آج سے دو چار دن پہلے جب مجھ سے یہ فرمائش کی گئی تھی کہ میں پاکستانی ثقافت اور پاکستانی فنون کے بارے میں آپ سے کچھ عرض کروں تو میں نے اس وقت مروت میں ہاں کر دی مگر بعد میں جب اس بارے میں سوچنا شروع کیا تو بہت گھبراہٹ ہوئی۔اوّل تو اس لیے کہ یہ موضوع اتنا ہمہ گیر ہے کہ ایک گفتگو میں اس کو سمیٹنا بہت مشکل ہے اور کچھ اس وجہ سے کہ اس موضوع پر اتنی باتیں ہو چکی ہیں کہ گزشتہ بیس پچیس برس میں کہ وہ کون سی نئی بات ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کر سکتا ہوں۔یقیناً میں جو کچھ کہوں گا وہ ایسی باتیں ہوں گی جو آپ اس سے پہلے کئی بار سن چکے ہوں گے۔سلسلۂ خیر پہلے دن سے ہی جاری ہے لیکن کم از کم دو بار اس پر نہایت طویل گفتگو اور غور ہو چکا ہے۔یہ ہمارے دوست حفیظ کاردار تشریف رکھتے ہیں۔ایک بار تو ان کے ساتھ مل کر رپورٹ بھی مرتب ہوئی تھی کوئی دس پندرہ برس پیشتر اس رپورٹ میں اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ بھی لیا گیا تھا۔پھر اس کے بعد شاید لوگوں کی تشفی نہیں ہوئی۔اس لیے کوئی سات آٹھ برس پہلے ایک اور کمیٹی بٹھائی گئی جس میں ذرا زیادہ تفصیل سے اس مسئلے پر غور کیا گیا۔یہاں بانو قدسیہ بھی تشریف فرما ہیں وہ بھی اس کمیٹی کی رکن تھیں۔ہم نے اپنی رپورٹ مرتب کرنے سے پہلے پشاور سے لے کر چٹا گانگ تک تقریباً ہر شہر کا دورہ کیا، کوئی تین سو سے اوپر اہل دانش، اہل فکر اور اہل نظر سے گفتگو کی اور اس کے بعد رپورٹ مرتب کی جو اس وقت میرے سامنے ہے۔اس رپورٹ میں جو کچھ کہا گیا تھا وہ میری، بانو قدسیہ یا کسی اور دوسرے کی ذاتی یا انفرادی رائے نہیں تھی بل کہ جو نتائج اس وقت مرتب ہوئے تھے وہ اس میں درج ہیں اور ان پر اتفاق رائے تھا۔اور آج بھی جو کچھ مجھے عرض کرنا ہے اور وہ ایک طرح سے خلاصہ ہے ان آراء کا جو اس زمانے میں ہم نے سنیں اور جو ہمارے سامنے پیش کی گئیں اس رپورٹ میں ان سب کا خلاصہ ہے۔

آج سے دو تین برس پہلے عید ملنے کے سلسلے میں ہم کسی کرم فرما کے گھر گئے تھے وہاں خاتون خانہ مجھ سے کہنے لگیں کہ ابھی کچھ دن ہوئے ہمارے ڈرائیور کی بچی کی شادی ہوئی ہے تو میں نے اس سے پوچھا کہ بھئی تمہارا داماد کیسا ہے؟ ڈرائیور نے کہا کہ صاحب اچھا ہے کوئی خرابی نہیں اچھا لڑکا ہے، لیکن بات یہ ہے کہ سیر و یر یعنی شعر و یر بہت کہتا ہے اور اخباروں اور رسالوں میں چھپواتا بھی ہے۔بیگم صاحب نے کہا، اس میں کیا برائی ہے شعر تو ہمارے فیض صاحب بھی کہتے ہیں، اس نے کہا کہ صاحب ان کی بات دوسری ہے وہ تو امیر آدمی ہیں۔لیکن ہم لوگوں کے لیے یہ اچھی چیز نہیں ہے۔

کلچر یا ثقافت اور فنون کے بارے میں ایک تو ہمارا تصور یہی ہے کہ یہ تو امراء کی عیاشی کی چیز ہے وہ کریں تو ٹھیک ہے دوسرے لوگوں کا اس سے کیا واسطہ۔اسی سے ملتا جلتا مختلف انداز میں ایک مقولہ میں نے کچھ عرصہ پہلے اسلام آباد میں سنا۔کوئی صاحب وزارت خارجہ میں کسی ثقافتی منصوبے کے لیے درخواست لے کر گئے۔اس کے لیے کچھ پیسہ درکار تھا وہاں انھیں جواب ملا کہ ایگری کلچر کے لیے ہمارے پاس روپیہ

نہیں ہے اورتم کلچر لیے پھرتے ہو، یہ کلچر ولچر رکھو اپنے پاس۔ روٹی کپڑا اور مکان ضروری چیزیں ہیں اور یہ جو کلچر ہے یہ تو جب پیسہ آئے گا اس وقت دیکھا جائے گا۔ یہ ضروریات پوری کرلیں پھر اس کے بعد کلچر سے نمٹ لیں گے۔ تو بات وہی ڈرائیور والی ہے کہ یہ امیروں کی باتیں ہیں۔

ہم بہو بیٹیاں یہ کیا جانیں

ایک نقطۂ نظر تو یہ ہے کہ ہمارے ملک میں کلچر کا روزمرہ کی زندگی اور ہماری قومی ضرورت سے کوئی قریبی رشتہ نہیں ہے۔ تمام ضروریات اور تقاضے پورے ہونے کے بعد کلچر اور اس سے متعلق باتوں پر غور کیا جائے گا۔ دوسرے نقطۂ نظر کے مطابق ہمارے بعض دوستوں کا خیال ہے کہ دراصل کلچر تو طبقاتی ہوتا ہے یعنی کلاس کلچر ہمارے ہاں امراء ہیں، غرباء ہیں، کسان ہیں، سرمایہ دار ہیں اور افسر لوگ ہیں، یہ الگ الگ جو طبقے ہیں کلچر بھی ان کا الگ الگ ہے۔ مزدوروں کا کلچر الگ، کسانوں کا کلچر الگ، سول لائنز کا کلچر الگ، نوجوانوں کا کلچر الگ، جاگیرداروں کا کلچر الگ اور اس سے ماوراء پاکستانی کلچر یا قومی کلچر تلاش کرنا، یہ بیکار سی بات ہے اس لیے کہ کلاس سے الگ کوئی کلچر نہیں ہوتا۔ تو یہ ہوا دوسرا نقطۂ نظر۔ اسی سے ملتی جلتی بات یہ ہے کہ ہمارے نوجوان دوست کہتے ہیں کہ سندھی کلچر ہے، بلوچی کلچر ہے، پختون کلچر ہے، پنجابی کلچر ہے لیکن یہ پاکستانی کلچر کس چڑیا کا نام ہے؟ ہر جگہ کے الگ الگ کلچر ہیں اور یہی ہونا بھی چاہیے کہ اس سے اوراوپر کسی قومی کلچر یا قومی ثقافت کی تلاش کرنا بیکار ہے ایک اور بات یہ کہی جاتی ہے کہ صاحب ہمارا ملک اسلامی ملک ہے اس لیے ہمارا کلچر اسلامی کلچر ہے۔ اور اسلامی کلچر کے ساتھ پاکستانی کا دم چھلا لگانا یا یہ تلاش کرنا کہ اسلامی کلچر سے ہٹ کر کوئی الگ تھلگ سی چیز ایسی ہے جس کو ہم اپنی مخصوص ثقافت کہہ سکیں یا مخصوص کلچر کہہ سکیں یہ سب شرارت کی باتیں ہیں۔ اس سے تو یہ مقصود ہے کہ یہاں لادینی پھیلائی جائے سندھی، پنجابی، بلوچی اور پختون کا فساد پیدا کیا جائے اور اس طرح سے قومی وحدت کو نقصان پہنچایا جائے۔ میں نے ابھی جو حوالے دیئے ان سے آپ سمجھیں گے کہ میں کوئی مبالغہ کر رہا ہوں۔ ایک روسی کتاب کا نام ''اسلامی تہذیب وتاریخ'' ہے جو کہ بتایا گیا ہے کہ بی اے کے نصاب میں ہے اگر شامل بھی نہیں ہے تو کم از کم اس کے پانچ چھ ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور اگر نصاب میں شامل نہیں بھی ہے تو طلبہ کے لیے اس کا مطالعہ غالباً لازمی ہے اس میں یہ لکھا ہے کہ

۱۔ تہذیب کے معانی اصلاح وتربیت کے ہیں انگریزی میں اس کا ہم معنی لفظ کلچر ہے چناں چہ تہذیب نظریئے اور عقیدے کا نام ہے۔

۲۔ یہ تو تہذیب کی تعریف ہوگئی ''تمدن کسی ملک کی طرز معاشرت کا نام ہے۔ انسان قطعی طور پر معاشرتی طرزِ زندگی اختیار کرتا ہے چناں چہ رشتہ داری، دوستی، ہمسائیگی اور دوسرے تعلقات سب تمدن کی تعریف میں آتے ہیں۔

اوّل یہ غالباً Civilization اور کلچر کو اوپر نیچے کردیا ہے لیکن خیر اسے چھوڑیئے اب آگے تعریف کرتے ہیں اسلامی تہذیب اور تمدن کی۔

اسلامی تہذیب کے عوامل پانچ عقائد ہیں جو اجزائے ایمان ہیں پہلا عقیدہ اللہ پر ایمان، دوسرا عقیدہ فرشتوں پر ایمان، تیسرا عقیدہ تمام آسمانی کتب پر ایمان، چوتھا عقیدہ انبیاء پر ایمان اور پانچواں عقیدہ آخرت پر ایمان۔ چناں چہ یہ تو ہوگیا کلچر۔ یہ پانچ عقائد جو ہیں یہ آپ کا عقیدہ ہیں چناں چہ یہ ہی آپ کا کلچر ہے باقی رہ گئی تہذیب۔ تہذیب اسلامی کے عناصر پانچ رکن ہیں۔ پہلا رکن، اقرار کلمہ طیبہ؛ دوسرا رکن، نماز؛ تیسرا رکن، زکوۃ؛ چوتھا رکن، روزہ؛ پانچواں رکن، حج۔ اس سے تمام اسلامی کلچر اور تہذیب کا انھوں نے فیصلہ کردیا کہیں ساری اس کتاب میں یا اس کے مقدمے میں اس کا ذکر نہیں ہے کہ ادب یا شاعری یا فن یا تعمیرات، آپ کا لباس، آپ کی زبان جو ہے اس کا بھی کوئی تعلق ہے آپ کے کلچر سے، آپ کی تہذیب سے اور اگر یہ بات سچ مان لی جائے تو وہ تمام باتیں جن پر آپ فخر کرتے ہیں یعنی شاعری میں سعدی

ہیں، حافظ ہیں، رومی ہیں، اقبال ہیں، فردوسی ہیں، غالب ہیں اور میر ہیں۔ اور تاج محل ہے اور سمرقند و بخارا ہیں البیرونی ہیں، ابن خلدون ہیں وغیرہ وغیرہ چناں چہ جو بھی علوم ہیں فنون ہیں جو بھی آپ نے دنیا کو دکھایا وہ ان صاحب کی نظر میں تہذیب اور کلچر کی تعریف سے خارج ہے اور وہ کہتے ہیں کہ بس یہی ہے اسلامی کلچر۔ کیوں کہ ہم اسلامی مملکت ہیں اس لیے ہمارا کلچر یہی ہے اس کے علاوہ اور کوئی بات کرنے کی اجازت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک لحاظ سے ان کا یہ کہنا غلط نہیں ہے وہ اس طریقے سے غلط نہیں ہے کہ میں سمجھتا ہوں وہ چیز وہ عنصر جو اسلامی ممالک میں مشترک ہے اور جس کو ہم صحیح معنوں میں اسلامی کہہ سکتے ہیں جس کا انھوں نے ذکر کیا ہے یعنی ہمارے عقائد جو ہیں وہ ایک ایسی چیز ہیں جو سارے اسلامی کلچر کا دائرہ ہیں۔ اگر آپ اسے مانتے ہیں تو ان معنوں میں ہم اسے تسلیم کیے لیتے ہیں ان معنوں میں کہ مشترک چیز یہی ہمارے عقائد ہیں لیکن اس کو آپ کسی طریقے سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ کسی قوم یا کسی ملک کی ثقافت یا کلچر جو ہیں اس پر یہ تعریف پوری طرح محیط ہے آپ کو ماننا پڑے گا کہ کسی ملک کی اپنی جو مخصوص ثقافت ہے یا جو اس کا اپنا مخصوص مزاج ہے یا اس کی جو مخصوص تہذیب ہے اس میں ان عقائد کے علاوہ اور بہت سی ایسی چیزوں کا دخل ہے جن کا دین سے کوئی تعلق نہیں ہے جو خالص دنیوی چیزیں ہیں۔ زبان ہے، لباس ہے، غذا ہے، رہن سہن کے طریقے ہیں، رسم و رواج ہیں، ادب ہے، ظاہر ہے کہ عقیدے کا ان سب چیزوں پر اثر ضرور ہوتا ہے اور اگر آپ ایک مشترکہ عقیدہ رکھتے ہیں تو آپ کی ثقافتوں میں بھی اشتراک کا ایک عنصر موجود ہوگا لیکن اس اشتراک کے ساتھ ساتھ آپ کو ہر جگہ اپنے اپنے ملک کا اپنی اپنی قوم کا ایک مخصوص کلچر بھی ملے گا اس کے بارے میں بھی مجھے شاید بعد میں پھر کچھ کہنے کی ضرورت ہو۔

آپ پہلی بات لے لیجیے کہ صاحب ضروریات زندگی جو ہیں پہلے وہ پوری ہو جائیں تو اس کے بعد ہم کلچر کی طرف رجوع کریں گے، میں سمجھتا ہوں کہ بات صحیح نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ ثقافت تو ایک عمل تشخص کا نام ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ انسان کو یہ دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ میرا خدوخال کیا ہے اور اگر کسی کو اپنے خدوخال معلوم نہیں ہیں تو اس کی ایک طرح سے شخصیت ہی مفقود ہے۔

اسی طرح قومی ثقافت جو ہے وہ تو زندگی سے، قومیت سے، قومیت کے وجود سے یا کسی وطن کے وجود سے الگ چیز تو نہیں ہے وہ تو اس کا ایک داخلی حصہ ہے اور سیاسی اعتبار سے اگر آپ نے اسی کا تشخص نہیں کیا اور اسی کا تعین نہیں کیا تو پھر آپ کی قوم کیسے موجود ہے؟ اس وجہ سے سیاسی اعتبار سے لازم ہے کہ اپنے قومی وجود کو مستحکم کرنے کے لیے اس کو دنیا سے منوانے کے لیے اپنے داخلی وجود کو داخلی طور پر منضبط کرنے کے لیے ہم اپنی ثقافت کو نہ صرف پہچانیں بل کہ اس کی اہمیت کو بھی ایک طرح سے تسلیم کریں جتنا بھی ممکن ہو اس کی خدمت کریں۔ اگر آپ اقتصادی طریقے ہی لے لیجیے تو پھر بھی یہ کہیں گے جس کے پاس روٹی ہی نہیں ہے پہلے وہ روٹی کھائے گا کہ گانا بجانا کرے گا پہلے روٹی کھائے گا اس کے بعد کچھ اور کرے گا۔ یہ بھی انالوجی جو ہے وہ کچھ ایسی صحیح نہیں ہے کیوں کہ جو غریب ہیں وہ بھی ہر چند کہ ان کے پاس ضروریاتِ زندگی کے لیے کافی مہیا نہیں ہوتا لیکن اس کے باوجود بھی انھیں تفریح کے لیے ضرورت پڑتی ہے۔ کہیں جا کے تھیٹر دیکھ لیا، سینما دیکھ لیا، کبڈی کھیل لی، کوئی نہ کوئی اپنی تفریح کے لیے سامان وہ بھی پیدا کر لیتے ہیں اور وہ یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ ان کی اس تفریح میں اور ان کی تلاش روزگار میں کسی قسم کا تضاد ہے۔ اسی طریقے سے میں سمجھتا ہوں کہ اقتصادی طور سے بھی اگر آپ دیکھ لیں تو اس طریقے سے ایک غریب اور مفلس آدمی بھی اپنی تفریح کسی نہ کسی طریقے سے تلاش کر لیتا ہے۔ تفریح اس کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسی اس کے جسم کو روٹی کی ضرورت ہے اسی طریقے پر اجتماعی طور پر بھی ایسا ہی ہے کہ قوموں کو، یا گروہوں کو، یا معاشرے کو اپنی روح کی تسکین کے لیے ایسی ہی ضرورت پیش آتی ہے کہ ذریعۂ اظہار کی جس طرح اس کو باقی ضروریات زندگی کے لیے پیش آتی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ آج کل یہ تو تسلیم کر ہی لیا گیا ہے۔۔۔۔۔انگریز کے زمانے کی بات دوسری ہے۔۔۔انگریز کے زمانے میں تو جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کچھ محکمے ایسے تھے جن کا تعلق براہِ راست حکومت کے نظم و نسق سے تھا وہ تو با قاعدہ محکمے سمجھے جاتے تھے جیسے نظم و نسق ہے، مال ہے، مواصلات ہے، لیکن جن کا تعلق قوم کی تربیت سے ہے اور قوم اس وقت ان کی رعایا تھی ان محکموں کو کہا جاتا تھا۔ Beneficient Department یعنی خیراتی محکمے تو سمجھا یہ جاتا تھا کہ اگر دوسرے محکموں سے کچھ پیسہ بچ رہا تو یہ خیرات بھی کریں گے کلچر کا تو خیر اس زمانے میں ذکر ہی نہیں تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ تقسیم اور آزادی کے بعد بھی ہماری سوچ میں کچھ اتنا زیادہ فرق نہیں آیا ہے۔ تعلیم اور صحت کو تو ہم نے ایک حد تک مان لیا کہ چلو یہ تو ضرور یات ہیں اس لیے کہ اگر لوگ بیمار اور غیر تعلیم یافتہ ہوں گے تو وہ قومی ترقی میں زیادہ معاون ثابت نہیں ہو سکیں گے اس لیے تعلیم اور صحت کو تو ایک حد تک ہم نے ضرورت سمجھ لیا ہے ضروری تصور کر لیا ہے لیکن کلچر کو تو ہم نے کہیں Benificent Department میں بھی نہیں رکھا۔ اس کا کہیں ذکر ہی نہیں ہے جو بھی شعبے ہماری قومی زندگی کے ہیں خواہ وہ ریاستی سطح پر ہوں یا عوامی سطح پر ہوں ان میں ہم نے ابھی تک یہ تسلیم نہیں کیا کہ جسمانی ضروریات کے ساتھ ساتھ ہماری روحانی ضروریات اور جذباتی اور فکری ضروریات بھی ہیں جو صرف ثقافتی ذرائع سے پوری ہو سکتی ہیں۔ ان کا بھی کوئی ذکر آپ کی منصوبہ بندی میں ہونا چاہیے چناں چہ میں اس بات کا قائل نہیں کیوں کہ پہلے آپ کی ضروریات زندگی پوری ہوں ضرورتیں میسر آئیں اس کے بعد ہم کلچر جو کہ لہو و لعب کی چیز ہے۔۔۔۔عیاشی کی چیز ہے اس کی طرف توجہ کریں گے میری ذاتی رائے یہ ہے اور غالباً آپ کو بھی اس سے اتفاق ہوگا کہ زندگی سے الگ کوئی چیز نہیں ہے یہ کوئی ایسا کاروبار نہیں ہے جس کو آپ زندگی سے الگ کر سکیں بل کہ زندگی کے ہر شعبے میں آپ کے کلچر کو آپ کی ثقافت کو جو کہ داخلی طور پر آپ کی اقدار کا نظام ہے اور ظاہری طور پر آپ کے طریق زندگی کا نام ہے آپ کے ہر عمل میں ہر احتجاجی عمل میں کسی نہ کسی طرح اس کا دخل ہوتا ہے اور اگر آپ اس سے چشم پوشی کریں گے اس میں کوئی نہ کوئی فتور ضرور واقع ہوگا جو آج کل ہماری قومی زندگی کے مختلف شعبوں میں موجود ہے۔

پھر یہ بھی ہے کہ جس طریقے سے آج کل یہ تسلیم کر لیا گیا ہے کہ تعلیم جو ہے وہ سرمایہ ہے جس طرح Investments ہیں۔ جس طرح آپ کسی اور چیز میں پیسہ لگاتے ہیں اور اس سے پھر آپ کو کچھ یافت ہوتی ہے اسی طرح سے تعلیم جو ہے وہ اب صرف ایک طرح کی شائستگی کا نام نہیں ہے بل کہ تعلیم بھی ایک Investment ہے، ایک سرمایہ ہے، ایک ذاتی سرمایہ ہے، جس شخص پر بھی آپ یہ سرمایہ لگاتے ہیں اس شخص میں فکری طور سے، جذباتی طور سے اور دوسرے طریقوں سے اس میں جو مہارت پیدا ہوتی ہے بصیرت کا اضافہ ہوتا ہے اس میں جو زیادہ سوجھ بوجھ پیدا ہوتی ہے اس کی وجہ سے جو بھی وہ کام کرے گا زیادہ سہولت سے کرے گا زیادہ بہتر طریقے سے کرے گا جس کی وجہ سے آپ کے قومی سرمایہ میں اضافہ ہوگا، اسی طرح جو پیسہ آپ اس میں لگاتے ہیں وہ خیرات نہیں کر رہے وہ آپ Investment کر رہے ہیں اور بہتر کارکردگی کی صورت میں آپ کو اس کا منافع مل رہا ہے تعلیم اور ثقافت کو آپ الگ نہیں کر سکتے اگر تعلیم سرمایہ ہے جس سے آپ کی یافت ہوتی ہے تو اسی کا ایک لازمی حصہ ثقافت بھی ہے اس طریقہ سے آپ کو اس سے بھی یافت ہوگی۔

بالکل بھی معمولی طریقے سے بات کو اگر سوچیں تو آپ کے ہاں میز بنتے ہیں، کرسیاں بنتی ہیں، یہ سٹوڈیو ہے، روزمرہ زندگی کی اشیاء ہیں۔ آپ کے کارخانوں میں طرح طرح کے استعمال کی چیزیں بنتی ہیں ان میں سے ہر ایک چیز کی تخلیق میں آخر کوئی نہ کوئی تو جمالیاتی عنصر شامل ہوتا ہے۔ کوئی اس کا Design کوئی اس کی Composition کوئی اس کی صورت کوئی اس کی شکل اگر آپ کی ان چیزوں کے بنانے والوں کو ان کا سلیقہ نہیں ہے اگر ان کے ذہن میں کسی قسم کا جمالیاتی ذوق نہیں ہے تو وہ بالکل خراب اشیاء تیار کریں گے۔ میں یہ بالکل نیچے کی سطح کی بات کر رہا ہوں اگر آپ ان کو زیادہ تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ زیادہ کلچر یافتہ بنائیں، فنون کے بارے میں ان کے

لیے بصیرت کے زیادہ مواقع فراہم کریں گے تو وہ جو کچھ بھی پیدا کریں گے پہلے سے بڑھیا ہوگا اس طریقے سے بھی آپ سوچ لیجیے۔ سرمایہ دارانہ طریقے سے بھی آپ سوچ لیجیے۔ تو بھی اس سے کچھ نہ کچھ آپ کے قومی اثاثے میں اضافہ ہوگا چناں چہ یہ بات بھی غلط ہے کہ آرٹ اور کلچر اور ثقافت اور فن جو ہیں، یہ عیاشی کی چیزیں ہیں۔ ان سے ہمارے قومی اثاثے میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اب یہ قومیتوں کی بات لیجیے، سندھی، بلوچی، پختون اور پنجابی اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے اس میں دو طرح کے خیالات ہیں ایک تو یہ اگر ان کو علاقائی ثقافتوں اور ان کے فنون پر زیادہ توجہ کی جائے تو اس سے قومی وحدت کو نقصان پہنچے گا کیونکہ اس طرح کا اندیشہ ہے۔ تو سب وہ لوگ اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی بنسری بجائیں گے اور قومی وحدت کو ضعف پہنچے گا اس لیے ضروری ہے کہ صرف ایک پاکستانی ثقافت یا پاکستانی کلچر کا ذکر کیا جائے۔ اور اس سے الٹ بات یہ ہے کہ جب کہ میں نے عرض کیا تھا کہ صرف علاقائی کلچر ہی کلچر ہے اور اس سے بالا یا اس سے ماروا کوئی کلچر نہیں ہے۔

اچھا پہلی بات لے لیجیے تو حقیقت یہ ہے کہ جس کو ہم قومی ورثہ کہتے ہیں یا جسے ہم اپنی قومی ثقافت قرار دے سکتے ہیں وہ ظاہر ہے کہ اپنی چیزوں کا مجموعہ ہے جو کہ ہمارے ملک میں موجود ہیں۔ سرحد میں جو کچھ موجود ہے سندھ میں جو کچھ موجود ہے بلوچستان میں جو کچھ موجود ہے۔ ان سب کے اجتماع سے ان سب کے اشتمال سے ہی وہ چیز پیدا ہوتی ہے جسے ہم پاکستانی کلچر کہتے ہیں جغرافیائی اعتبار سے اور قومی اعتبار سے بھی۔ اگر قومی اعتبار سے اپنے مختلف علاقوں کے لوگ ہماری قومیت کی تشکیل کرتے ہیں تو پھر اپنی علاقوں کی ثقافت ہماری قومی ثقافت کی تشکیل کیوں نہیں کرتی؟ کہا جاتا ہے کہ نہیں اس لیے کہ ہم تو ایک ہی قوم ہیں، یہ چار کلچر کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا جو طبقاتی کلچر کے قائل ہیں وہ کہتے کہ صاحب ایک قوم نہیں ہے تین قومیں ہیں دونوں کے دلائل میں بنیادی نقص ایک ہی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ جو بھی طبقاتی نظام ہوگا اس میں ایک قوم کے اندر کچھ سب (sub) قومیں ضرور ہوں گی یعنی جن کو ہم طبقات کہتے ہیں۔ امراء بھی ہوں گے، شرفاء بھی ہوں گے، غرباء بھی ہوں گے اور اگر آپ کا معاشرہ ان طبقوں میں بٹا ہوا ہے تو آپ کی ثقافت بھی اسی سے مختلف زاویئے اور مختلف شکلیں اختیار کرے گی، امراء کا کلچر الگ ہوگا شہر کے جو کھاتے پیتے لوگ ہیں ان کا کلچر الگ ہوگا، غرباء کا کلچر الگ ہوگا، تسلیم۔ لیکن تین کلچروں کی موجودگی کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ کی ایک ریاست میں بھی تین ریاستیں ہیں وہ تو ایک ہی ہے، اور اگر ریاست ایک ہے تو ظاہر ہے کہ قوم بھی ایک ہی ہے، اس کے بطن میں۔ اس ایک قومی ثقافت کے بطن میں، مختلف طبقوں کی ثقافتیں ضرور موجود ہوں گی، جس طرح اس ایک قوم کے بطن میں مختلف طبقے اور مختلف گروہ ضرور موجود ہوں گے لیکن اس کے وجود کو تسلیم کر لینے کے یہ معنی ہیں کہ ہم قومی وحدت کا انکار کرتے ہیں اور نہ قومی وحدت کو تسلیم کرنے کے یہ معنی ہیں کہ ہم ان کے وجود سے انکار کرتے ہیں قومی وحدت پر اصرار کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم اس حقیقت کو فراموش کر دیں کہ ایک بلوچی زبان ہے، ایک سندھی زبان ہے، ایک پشتو زبان ہے، ایک پنجابی زبان ہے، گجراتی زبان ہے، اردو زبان ہے۔ اگر ہم اس حقیقت کو فراموش کر دیں تو پھر ان تمام علاقوں میں جغرافیائی حالات، ان کی تاریخ کی وجہ سے ان کے رسم و رواج میں بھی اختلاف ہے، چناں چہ ان کی ثقافتوں میں بھی امتیاز کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہم ان حقیقتوں سے انکار کر دیں تو لازماً ہم ان تعصّبات کو ہوا دیتے ہیں جن کے نتیجے میں یہ کہا جاتا ہے کہ پنجابی، سندھی، بلوچی اور پختون تو ٹھیک ہے لیکن پاکستانی کوئی چیز نہیں چناں چہ وحدت کے نام پر ہم انتشار اور اختلاف کو دعوت دیتے ہیں۔ اور دوسری جانب یہ ہے کہ اگر ہم یہ کہیں کہ صرف یہی وحدتیں ہیں یہی حقیقتیں ہیں اور ملک اور قوم کوئی چیز نہیں ہیں تو وہ بھی غلط ہے۔ اس لیے کہ اگر ہم سب لوگ ایک جگہ رہتے ہیں، اگر ایک ملک کے باشندے ہیں، اگر ایک قوم کے افراد ہیں تو لازمی طور پر اشتراک کی کوئی نہ کوئی صورت تو ہوگی۔ اگر ہم ایک قوم ہیں، ایک وطن ہے تو اس سے بالکل یہ واضح ہے کہ باوجود اس اختلاف کے اشتراک کے اتنے عناصر موجود ہیں کہ اس اشتراک میں جو ذہنی الجھن لوگوں کو ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ اختلاف کو مخالفت سمجھ لیتے ہیں۔ لوگ

فرق کو تضاد سمجھ لیتے ہیں۔ جو فرق ہے پنجابی اور بلوچ میں وہ فرق ہے تضاد نہیں۔ اور جو اختلاف ہے بلوچی کلچر اور پنجابی کلچر، میں وہ اختلاف ہے مخالفت نہیں یہ بات تسلیم کر لینی چاہیے کہ اختلافات موجود ہیں فرق موجود ہے اور پھر فرق تسلیم کر لینے کے بعد ہمیں یہ سوچ لینا چاہیے کہ کہ وہ مشترک عناصر کون سے ہیں وہ مشترک اجزا کون سے ہیں، جن کو تقویت پہنچا کر ہم وحدت کو فروغ دے سکتے ہیں اور انتشار کو روک سکتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سارے قصے پیدا کیوں ہوئے؟ چناں چہ پاکستانی ثقافت کے سلسلے میں پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ یہ ہمارے ذہن میں جتنے جالے ہیں پہلے ان کو صاف کیا جائے۔ یہ جالا صاف کیا جائے کہ کلچر جو ہے وہ محض عیاشی ہے لہولعب ہے اس کو صاف کیا جائے۔ علاقائی ثقافت کا قومی ثقافت کے ساتھ کوئی تصادم ہے اس جالے کو صاف کیا جائے کہ کلچر بحیثیت کلچر دین کے خلاف کوئی چیز ہے۔ اس سے دین کا کوئی تصادم نہیں ہے یا یہ طبقات کا جو کلچر ہے اس کا قومی کلچر کے ساتھ کوئی تصادم ہے۔ پہلے تو یہ جالے اپنے ذہن سے دور کرنے چاہئیں اور پھر یہ سوچنا چاہیے کہ آخر ۲۷ برس سے ہم جو یہ باتیں کر رہے ہیں آخر یہ جھگڑا ہے کیوں؟

میں نہیں سمجھتا کہ دنیا میں کوئی اور ملک ایسا ہے جسے ایسی الجھن درپیش ہے جیسی ہمیں۔ باقی جو ملک اور ہیں، جو قومیں ہیں جو کچھ ان کے پاس ہے اس کو وہ اپنا ورثہ سمجھتی ہیں۔ اسی کے مطابق وہ اپنی ثقافت اور اپنے کلچر کی تعریف کرتے ہیں اور اسی تعریف کی روشنی میں وہ اس کو فروغ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ آخر یہ قصہ ہمیں ہی کیوں درپیش ہے؟

میں سمجھتا ہوں کہ اس کی بنیادی وجہ تو صرف وہ حالات ہیں جن میں پاکستان وجود میں آیا تھا۔ آج سے ۲۷ برس پہلے یعنی آزادی سے پہلے کوئی پاکستانی قوم نہیں تھی اس لیے کہ پاکستان ہی کوئی نہیں تھا۔ اس وقت تو یہ تھا کہ ایک طرف ہندی مسلمان تھے اور دوسری طرف غیر مسلم تھے۔ اور اسی طریقے پر لوگ پہچانے جاتے تھے۔ اور مسلمان تو کسی ایک علاقے میں نہیں تھے۔ سارے ہندوستان میں تھے جن میں پاکستان کا علاقہ شامل تھا۔ اور دوسری جانب لوگ پہچانے جاتے تھے اپنے علاقے کی رعایت سے یعنی پنجابی، سندھی، بلوچی اور پٹھان وغیرہ۔

جب پاکستان وجود میں آیا تو پاکستان کی جغرافیائی حدیں متعین ہو گئی اس لیے کہ وہ علاقہ جو پاکستان کہلائے گا وہ ریاست جس کا نام پاکستان پڑا اس کا جغرافیائی وجود تو تسلیم ہو گیا۔ اس کے بارے میں کسی کو شک وشبہ بھی باقی نہیں رہا لیکن اس کے اوپر اس کی بالائی منزل جو تھی یعنی پاکستانی ثقافت اس کے بارے میں کسی نے فیصلہ نہیں کیا کہ اس کی نچلی منزل کی جو اوپر منزل ہے اس کے خدوخال کیا ہیں۔ اور اس وجہ سے ہی ہوا کہ اس کی وجہ سے بہت سے جو سوالات پیدا ہوئے تھے۔ اس میں جو وضاحتیں تھیں ان سے ہم کتراتے تھے یعنی سب سے پہلے تو آپ کو یہ فیصلہ کرنا تھا کہ اگر پاکستانی کلچر کی آپ کو تعریف کرنی تھی، اس کو متعین کرنا تھا تو ہر کلچر کی دو تین خصوصیات ہوتی ہیں جیسے کسی چیز کا طول ہے، عرض ہے اور اس کی ضخامت ہے یا اس کی گہرائی ہے اس طرح سے کلچر کا بھی طول وعرض ہوتا ہے ضخامت یا گہرائی ہوتی ہے۔

ایک تو یہ کہ آپ اس کی تاریخ کہاں سے شروع کرتے ہیں تاریخ کو آپ اپنے کلچر کا طول کہہ لیجیے اور جس کو آپ اپنا کلچر کہتے ہیں اس کی جغرافیائی حدود کہاں تک ہیں۔ اس کو آپ اس کا عرض کہہ لیجیے اور تیسرے یہ کہ جس کو آپ اپنا قومی کلچر کہتے ہیں اس کی عوام میں رسائی کہاں تک ہے اس کو آپ اس کی گہرائی یا ضخامت کہہ لیجیے۔

اب جب پاکستانی کلچر کا سوال پیدا ہوا تو اسب سے پہلے تو ہم نے یہ سوچنا شروع کیا کہ اسے کہاں سے شروع کریں۔ موہنجوداڑو سے شروع کریں کہ ٹیکسلا اور گندھارا سے شروع کریں۔ محمد بن قاسم سے شروع کریں، سرسید احمد خان سے شروع کریں، پاکستان ریزولیوشن سے شروع کریں یا ۱۸۵۷ء سے شروع کریں، کیونکہ ہم اس کا جواب نہیں دینا چاہتے تھے اس لیے اس سے ہم ابھی تک اغماض کرتے رہے۔ ہم نے ان کا کبھی جواب نہیں دیا۔ میرے ذہن میں تو اس کا جواب بالکل صاف ہے اچھا دوسری بات لے لیجیے۔ کہ صاحب ہمارے کلچر کا جغرافیہ کیا

ہے؟ ہمارے کلچر میں جو چیزیں شامل ہیں مثلاً زبان ہے۔اب اردو زبان ہے اس کا جغرافیہ تو پاکستان تک محدود نہیں ہے وہ تو ہندوستان میں زیادہ بولی جاتی ہے وہاں زیادہ علاقے ہیں یہاں تو کم لوگوں کی زبان ہے۔ ہماری کلاسیکی موسیقی ہے وہی ہے جو ہندوستان میں ہے اس پر حد کیسے لگائی جائے؟ یا دوسرا ہمارا پرانا تاریخی ورثہ اس میں کچھ تو فارسی ہے تو افغانستان اور ایران سے جاملتا ہے اس کا رشتہ اردو کا ادھر جاملتا ہے۔ چناں چہ ہم عرض کا بھی فیصلہ نہیں کرسکے کہ اس کی جغرافیائی حدود کیا ہیں۔اس کی وجہ سے ہم نے اس کو گول کردیا۔تیسرا مسئلہ یہ تھا کہ ہمارا جو قومی کلچر ہے اس کی ضمانت کیا ہے۔یعنی ملک کے کس کس طبقے تک وہ پہنچا ہے تو پھر وہی وقت پیش آ گئی کہ سرحد کا جو کلچر ہے وہ الگ ہے، سندھ کا کلچر الگ، بلوچستان کا کلچر الگ، پنجاب کا کلچر الگ چناں چہ ہم نے کسی بات کا جواب اس لیے نہیں دیا کہ ہر بات کا کوئی نہ کوئی سیاسی پہلو ایسا نکلتا تھا جس کو ہم بالکل سیدھے طریقے سے Face کرنا نہیں چاہتے تھے اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتے تھے میرے ذہن میں تو یہ بات بالکل واضح ہے کہ قومی ثقافت میں ہر وہ چیز شامل ہے جو کسی سرزمین میں موجود ہے تاریخی اعتبار سے جہاں سے اس سرزمین کی تاریخ شروع ہوتی ہے اس وقت سے لے کے اس وقت تک جو کچھ بھی فنون، علوم اور ثقافت کی صورت ہے جو کچھ کسی ملک میں موجود ہے وہ اس ملک کا اس قوم کا سرمایہ ہے اس کا ورثہ ہے اور اس سے کسی طریقے سے شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔

تاریخی اعتبار سے اس سرزمین پر جو کچھ ہے موہنجوداڑو سے لے یہاں تک وہ سب کچھ ہمارا ہے۔جغرافیائی اعتبار سے پھر میں یہی کہوں گا کہ جو کچھ بھی اس ملک میں کلاسیکی موسیقی ہے اگر ہندوستان میں بھی ہے تو ہوتی رہے۔ یہاں پر جو ہماری کلاسیکی موسیقی ہے وہ ہماری ہے۔وہ ہمارے کلچر کا حصہ ہے پشتو افغانستان میں بھی بولی جاتی ہے اور ہندوستان میں بھی بولی جاتی ہے اس وجہ سے نہ ہم پشتو سے انکار کرسکتے ہیں اور نہ ہی اردو کو رد کرسکتے ہیں کیونکہ یہ تو سیدھی بات ہے کہ کلچر کی حدود اور ریاست یا politics کی حدود ایک نہیں ہوتیں۔آپ یورپ کی مثال لے لیجیے یورپی جو ہیں وہ یونانی مجسمے اور یونانی اصنام سبھی کچھ اب تک استعمال کرتے ہیں پھر ایسے ملک بھی ہیں جہاں ایک نہیں تین، چار، پانچ قومیں آباد ہیں۔وہاں کسی کو یہ الجھن درپیش نہیں۔

انگلستان کے کسی شاعر نے سوچتے وقت یا لکھتے وقت نہیں سوچا کہ میں کیوپڈ کا الفریڈا نیے کا ذکر کیوں کررہا ہوں؟ وہ تو انگریز بھی نہیں تھے، عیسائی بھی نہیں تھے، تو میری شاعری میں ان کا ذکر کیوں آتا ہے؟ وہاں کسی کو اس قسم کی الجھن درپیش نہیں ہے تو ہمیں یہ الجھن کیوں درپیش ہے؟ چناں چہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ دوسری بات یہ ہے کہ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ہم جو اپنے کلچر کو چھوئی موئی بنانے کی کوشش کررہے ہیں کہ اِدھر کسی کا ہاتھ لگ گیا تو یہ خراب ہو جائے گا اور اُدھر کسی سے ہاتھ ٹکرا گیا یا ٹانگ ٹکرا گئی تو گڑبڑ ہو جائے گی یا یہ کہ اس میں یہ جو حصہ ہے یہ ہمارا نہیں ہے۔ یہ حصہ فلاں کو دے دو یہ حصہ کسی اور کو دے دو یہ بات میرے خیال میں ٹھیک نہیں۔ چناں چہ یہ دوسرا مسئلہ ہے جو ہمیں سلجھانا چاہیے۔ ہمارے پاس جو کچھ بھی ہے جتنا بھی تاریخی ورثہ ہے ہمیں اس سب پر فخر کرنا چاہیے۔اس تفاخر میں وہ حصہ جو کہ محض تاریخی ہے اس کی آپ مخلص قومی تفاخر کے لیے استعمال کیجیے یعنی یہ کہ اب موہنجوداڑو کا ہماری موجودہ زندگی سے بہت کم علاقہ ہے لیکن اس کے کچھ ایسے حصے اب بھی ہیں، جو سندھ کے لباس میں آپ کو ملیں گے اور بہت سا حصہ ایسا ہے جس کا آج کی زندگی سے کوئی تعلق نہیں۔اسی طرح گندھارا آرٹ جو دنیا کا بہت عظیم جمالیاتی ورثہ سمجھا جاتا ہے اس کا اس وقت ہماری موجودہ زندگی سے بہت کم تعلق ہے لیکن اس میں ایک آدھ عنصر ایسا ہے۔ظروف میں، لباس یا تعمیرات میں جو اب تک زندہ ہے۔تاریخی ورثے کا جو حصہ محض قومی تفاخر کے کام آئے اسے تو آپ نمائش گاہ میں رکھیے، اس پر فخر کیجیے اور اس پر شرمندہ ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ جو آج کل زندہ ہے اور ہماری روایات کا حصہ ہے اس کے بارے میں یہ سوچنا چھوڑ دیجیے کہ یہ ہندوستان میں بھی ہے اور یہ بھی سوچنا چھوڑ دیجیے کہ اگر وہ براہ راست آپ کے دین سے متصادم نہیں ہے، تو یہ بھی سوچنا چھوڑ دیجیے کہ یہ

اسلامی نہیں ہے۔ پنجابی ظاہر ہے کہ اسلامی نہیں ہے لسی پینے کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے یا یہ کہ میں نے اس طرح کے کپڑے پہنے ہیں اور آپ نے اس طرح کے۔ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ دنیوی چیزیں ہیں ان کو دنیوی چیزیں سمجھ کر آپ قبول کر لیجیے یہ وہ دوسرا مسئلہ ہے جس کے بارے میں ہمارے ذہن صاف ہونے چاہئیں۔

اگر ان دونوں باتوں پر ہمارا ذہن صاف ہو جاتا ہے تو پھر تیسرا مسئلہ یہ ہے کہ کاروبارِ زندگی میں ہم نے جو مختلف درجہ تبدیلیاں کر رکھی ہیں اپنی قومی ضرورت کی ان میں ہم اپنی ثقافت اور قومی کلچر کو کیا مقام دیتے ہیں۔ تیسرا مسئلہ ہے اس مقام کا تعین جو کہ آپ کی قومی زندگی کی منصوبہ بندی میں ثقافت، کلچر یا فنون کو حاصل ہے۔ میں یہ عرض کر چکا ہوں کہ یہ نہ صرف ضروری چیز ہے بل کہ زندگی کی، قومی زندگی کی اولین ضروریات میں سے ہے۔ نہریں کھودنے سے اور کارخانے بنانے سے اور بینکوں کی عمارتیں بنانے سے اس درجہ خالق ہے یہ تو نظریاتی بات ہے۔ اب اس سے آگے مرتب ہوتے ہیں عملی نتائج کہ کرنا کیا ہے؟ اس کے بارے میں بہت سی تجاویز آپ کے سامنے آ چکی ہیں۔ اس رپورٹ کی صورت میں وہ جو حفیظ کاردار صاحب کی رپورٹ تھی، اس کی صورت میں بنیادی طور پر ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی تقسیم تو یہ ہے کہ ایک تو ہیں فنون یا فنونِ جمیلہ کہہ لیجیے۔ ہاں فنونِ جمیلہ سے مجھے خیال آیا کہ یہ جو فائن آرٹس یعنی فنونِ جمیلہ اور حرفت میں جو تمیز کی جاتی ہے یہ خالص مغربی چیز ہے اور اس کا بالکل قائل نہیں ہوں جہاں تک فنون یا آرٹس کا تعلق ہے وہ تو کیوں کہ آزاد پیدا کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں تو ہم بیٹھ کر عملی تجاویز پیش کر سکتے ہیں کہ تربیت گاہیں ہونی چاہئیں، درس گاہیں زیادہ ہونی چاہئیں اور آرٹ گیلریاں ہونی چاہئیں۔ آرٹسٹوں کو آج کل رنگ ہی نہیں ملتے ان کو جو سہولتیں ہیں وہ حاصل ہونی چاہئیں۔ موسیقاروں کے روزگار کا بہتر انتظام ہونا چاہیے۔ ان کے فن کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے زیادہ سہولتیں میسر آنی چاہئیں۔ زیادہ کنسرٹ (Concert) ہونے چاہئیں زیادہ ہال بننے چاہئیں وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کے بارے میں ایسا مشکل کام نہیں ہے۔ یہ جو عملی مسائل ہیں ان پر تفصیلی طور پر بحث بھی ہو چکی ہے۔ ان کی دستاویزی صورت بھی موجود ہے اور وہ حکومت کے پاس موجود ہے۔ صرف جب یہ فیصلہ ہو جائے گا کہ یہ عیاشی کا سامان ہے کہ نہیں ہے اور یہ ضروری چیز ہے کہ نہیں ہے جب یہ یقین ہو جائے گا کہ اس کی کوئی صورت ہو جائے گی اور یقین اس وقت ہو گا جب ہم یہ تسلیم کر لیں گے کہ اگر کسی شہر میں ایک داروغہ صفائی رکھ سکتے ہیں۔ ایک کوتوال پولیس رکھ سکتا ہے۔ ایک محرر چونگی رکھ سکتا ہے۔ اور باقی ہر طرح کا کوئی نہ کوئی آدمی رکھ سکتا ہے تو آپ ایک ثقافتی افسر کیوں نہیں رکھ سکتے جو وہاں ثقافت کا انتظام کرے۔ آپ کے پاس شہر میں اور بہت سی سہولتیں موجود ہیں صرف لاہور اور کراچی کی بات نہیں ہے۔ گوجرانولہ، وزیرآباد، سیالکوٹ، سمڑ یال اور جتنے قصبے ہیں ہر جگہ ہر طرح کے کارندے موجود ہیں تو اب ایک کارندہ اس کا بھی کیوں موجود نہیں ہو سکتا کہ جو یہ کام کرلے وہاں اگر کسی کے پاس کوئی ہنر ہے کوئی فن ہے تو وہ اس کو دریافت کرلے اس کو لوگوں سے روشناس کرانے کوشش کرے اور یہ کوشش کرے کہ لوگ جو ہیں ان کو واقعی اشتیاق پیدا ہوا اور وہ اس میدانِ عمل میں آئیں۔ اس طرح اگر آپ نے اپنی تعلیم میں اور ہزار طرح کے مضامین شامل کر رکھے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ ثقافت کو آپ پہلی جماعت سے لے کر آخر تک اس کی جو مختلف صورتیں ہیں ان کو آپ اپنے نصابِ تعلیم میں شامل نہیں کر سکتے۔ جب کہ میں نے عرض کیا کہ یہ فنون کی بات ہے جس کے مسائل حل کرنے یا اس کے سلسلے میں منصوبہ بندی کرنا کچھ ایسی مشکل بات نہیں ہے۔

لیکن دوسرا مسئلہ جو کلچر کا مسئلہ ہے وہ تو معاشرے کے سیاسی اور اقتصادی ڈھانچے کا مسئلہ ہے۔ اس میں آپ کلچر کی صورت اس وقت تک نہیں بدل سکتے جب تک کہ آپ معاشرے میں ترمیم نہ کریں۔ معاشرے میں اس وقت جو معاشرتی ڈھانچوں کی تقسیم ہے اس وقت جو شہروں کی اور دیہات کی، امراء کی اور غرباء کی، مزارعوں کی اور زمینداروں کی، سرمایہ داروں کی اور مزدوروں کی، یہ جو تقسیم ہے جب تک آپ

ان طبقاتی تعلقات میں کوئی ترمیم پیدا نہ کریں اس وقت تک آپ بنیادی طور پر معاشرے کے اجتماعی کلچر کو تبدیل نہیں کر سکتے۔ وہ مسئلہ سیاست کا ہے اس میں ہمارا دخل نہیں ہے۔ جو مسائل سیاسی ہیں ان کا حل بھی سیاسی ہے۔ اس پر ہمیں اس وقت گفتگو کرنا نہیں چاہیے کیوں کہ وہ لمبی بات ہے۔

جو کچھ میں نے عرض کیا اس کا خلاصہ یہ ہے۔

اوّل تو ہم قومی سطح پر پاکستانی قومیت اور پاکستانی ثقافت سے شرمانا چھوڑ دیں۔

دوم یہ کہ ہم اسے لہو ولعب یا لادینی سمجھنے کے بجائے اپنی زندگی کا ایک جزوِ اکبر قرار دیں۔ اور۔

تیسرے یہ کہ اگر ہم اسے قبول کرلیں تو پھر زندگی میں قومی سطح پر جو بھی منصوبہ بندی کرتے ہیں جو بھی ہم Priority قائم کرتے ہیں ان میں ہم اس کی Priority متعین کریں۔ اور آخر میں یہ ہے کہ آرٹ اور کلچر تو کرنے کی چیزیں ہیں اس کے بارے میں ہم باتیں کم کریں اور کوشش کریں کام ہو۔

سید وقار عظیم: خواتین وحضرات جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا ہے کہ کلچر پر گفتگو کا ایک انداز تو یہ ہے کہ اس پر نظریاتی انداز میں باتیں کریں لیکن حقیقت میں پیچیدگیاں اس وقت پیدا ہوتی ہیں جب کسی مخصوصی معاشرے کے نقطۂ نظر سے کلچر کے مسائل پر سوچنا شروع کرتے ہیں۔ ہمارے لیے یہ مسئلہ اس لیے پیچیدہ ہے کہ ہماری کلچر کی تاریخ، بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ۲۷ سال پہلے شروع ہوئی "بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے" یہ میں خاص طور پر عرض کررہا ہوں۔ ۲۷ سال میں کلچر کے متعلق جو مختلف طرح کے خیالات ظاہر کیے گئے اور اب بھی کیے جارہے ہیں ان میں باہم اتنا تضاد ہے کہ بعض اوقات آدمی کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کس بات کو قبول کرے، کسے رد کرے۔

اسی چیز کی طرف فیض صاحب نے اشارہ کیا ہے کہ یہ جالے ہمارے ذہن میں ہیں۔ اور ان جالوں میں سے بعض کو سلجھانے کی طرف توجہ بھی فرمائی جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ مخصوص حالات کو اُس کے مخصوص رویئے کے مختلف انداز سامنے رکھ کر انھوں نے اس مسئلہ پر نظریاتی گفتگو کرنے کے بجائے عملی گفتگو فرمائی۔ آج سب خواتین وحضرات کے ہاتھ میں کاغذ اور قلم ہیں۔ اس کے باوجود کہ میں سمجھتا ہوں کہ بہت سی الجھنیں دور ہوئیں اور بہت سے جالے ختم ہوئے لیکن کچھ جالے شائد پڑے بھی ہوں فیض صاحب یہاں موجود ہیں ان کی گفتگو کے دوران جو سوال آپ کے ذہن میں پیدا ہوئے ہوں۔ آپ براہِ کرم ان سے پوچھیے مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے جوابوں سے آپ کی تشفی فرماسکیں گے۔

سوال: فیض صاحب! آپ نے تقریر کے دوران یہ فرمایا کہ پاکستان بننے سے پہلے ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس کو پاکستانی کلچر کہا جائے اور یہ بھی فرمایا کہ پاکستانی کلچر کی زندگی محض ۲۷ سال ہے۔ میں اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ میرے خیال میں پاکستانی قوم کو وراثت میں قیام پاکستان کے وقت وہ کلچر ملا تھا جس کو برِّعظیم کے مسلمانوں کا کلچر کہنا چاہیے۔ Culture of the Mulslims of the Subcontinent وہ ہماری Inheritance تھی۔ وہ ہمارا کلچر تھا۔ جب پاکستان بنا ایک تاریخی واقعہ بیان کروں اس وقت بہت سی وجوہات تھیں جو ہم پیش کرتے تھے ہندوستان کی تقسیم اور مسلمانوں کے Home Land کو وجود میں لانے کے لیے ان میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ہندوستان کے ہندوؤں کا کلچر الگ اور مسلمانوں کا کلچر الگ ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس دعوے پر ہم نے پاکستان کے لیے جدوجہد کی تھی۔ اور وہی کلچر جس کو ہم ہندوؤں سے علیحدہ سمجھتے تھے وہی پاکستانی کلچر تھا؟

جواب: آپ کو کچھ مغالطہ ہوا ہے میں نے یہ عرض نہیں کیا تھا کہ پاکستانی کلچر صرف ۲۷سال پرانا ہے میں تو اس بات پر زور دے رہا ہوں کہ پانچ ہزار برس پرانا ہے۔ میں کہہ رہا تھا کہ کیوں کہ پاکستان کے نام کا کوئی ملک نہیں تھا اس طرح پاکستانی قوم کے نام سے کوئی قوم موجود نہیں تھی۔ اس ملک کے وجود میں آنے سے پہلے اس لیے ہر چند کہ کلچر تو موجود تھا اور بہت زمانے سے موجود تھا لیکن وہ صرف پاکستان کا کلچر نہیں تھا ہندی مسلمانوں کا کلچر بھی تھا جس میں ہندوستان کے مسلمان بھی شریک تھے اور پاکستان کے مسلمان بھی۔ جب پاکستان بن گیا تو اس کلچر کے علاوہ جو ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ ہمارا مشترک کلچر تھا اس کے علاوہ اس علاقہ میں کچھ اپنی منفرد چیزیں بھی تھیں جو کہ پاکستان میں نہیں تھیں یعنی یہاں سندھ میں جو کچھ رسم ورواج ہے وہ باقی بھارت میں موجود نہیں حالاں کہ وہاں مسلمان موجود ہیں یہاں بلوچیوں کا، سندھیوں کا، پٹھانوں کا جو طرز معاشرہ ہے وہ انہی سے مخصوص ہے چناں چہ میں یہ عرض کرر ہا تھا کہ جو چیز اس علاقے میں مخصوص ہے وہ ہمارا کلچر ہے۔ اس کی ابتداء پانچ ہزار سال پہلے کی ہے۔ اس میں بعد میں بہت سے ایسے اجزاء شامل ہوئے جن میں کچھ ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ مشترک ہیں۔ کچھ وسط ایشیاء کے مسلمانوں کے ساتھ مشترک ہیں کچھ اور جو ہمارے ہمسایہ ممالک ہیں ان کے ساتھ مشترک ہیں لیکن اس اشتراک کے ساتھ ساتھ ایسے اجزاء بھی ہماری ثقافت میں موجود ہیں جو ہم سے مخصوص ہیں صرف اس سرزمین کے ساتھ مخصوص ہیں اور وہ ۲۷ہزار سال پرانے نہیں ہیں وہ پانچ ہزار سال پرانے ہیں۔ میں نے یہ ہرگز نہیں کہا تھا کہ ۲۷سال پہلے پاکستانی کلچر کا وجود نہیں تھا کلچر کا وجود تھا لیکن اس کا نام پاکستانی کلچر نہیں تھا۔

سوال: فیض صاحب! وہ فنون لطیفہ سے متعلق مجھے ایک سوال کرنا تھا۔ پاکستان بننے سے پہلے ہمارے ہاں تھیٹر کی روایت کم تھی مصوری کی روایت تھی اور موسیقی کی جو روایت تھی وہ کلاسیکی موسیقی کی صورت میں بہت بڑی روایت ہمارے ورثے میں تھی۔ یہ کیا وجہ ہے کہ تھیٹر کو ترقی ہوئی مصوری کو ترقی ہوئی لیکن ان مصوروں کو جنھوں نے مغربی انداز میں تصویریں بنانا شروع کی ہیں اور موسیقی کو باقاعدگی کے ساتھ تنزل مل رہا ہے۔

جواب: میں عرض کرتا ہوں میرا خیال ہے کہ آپ لاہور کی وجہ سے کہہ رہے ہیں کہ تھیٹر کو ترقی ہوئی ہے ورنہ تھیٹر کو ترقی نہیں ہوئی ہے۔ اس لیے آج سے تیس چالیس برس پہلے جب ہمارا طالب علمی کا زمانہ تھا تو یہاں ایک بہت ترقی یافتہ تھیٹر موجود تھا، لیکن جب سے ٹاکیز فلمز شروع ہوئی ہیں تو اس کا وجود ختم ہو گیا۔ ان کے بعد یہ اس وقت جو یہاں بہت سے شوقین نوجوان کھیل اور ڈرامے کرتے ہیں یہ تو آٹھ دس برس پہلے کی بات ہے کہ اس کا سلسلہ بھی ہم نے یہیں شروع کیا تھا یہ آپ صحیح فرما رہے ہیں کہ اس حد تک اس میں ترقی ضرور ہوئی ہے کہ آج بہت سے گروہ ایسے موجود ہیں۔ جہاں تک مصوری کا تعلق ہے آپ فرما رہے ہیں کہ ہماری قدیم مصوری کو فروغ نہیں ہوا۔ مغربی مصوری کو ہوا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری قدیم طرز کی جو مصوری تھی اس کے ایک خاص طرح کے قدردان تھے ان کی وجہ سے وہ تصویریں بنائی جاتی تھیں۔ ان میں دو طرح کے مضامین ہوتے تھے یا تو مرقعے ہوتے تھے۔ شبیہیں ہوتی تھیں نوابوں کی یا ان میں مذہبی مضامین یا افسانوی مضامین کی تصویر کشی کی جاتی تھی ظاہر ہے کہ جب یہ طبقہ ختم ہوا تو مصوری کی یہ صورت بھی ختم ہو گئی اس کے بعد لازم تھا کہ کوئی نہ کوئی نئی صورت پیدا ہوتی کیوں کہ ہمارے ہاں انگریزوں کی حکومت کی وجہ سے اس فن کو ترقی نہیں ہوئی اس لیے لازمی طور سے ہمارے نوجوان جو تھے انھیں مغرب کی طرف رجوع کرنا پڑا اور اب بھی یہ ہے کہ اگر ہم

مصوری کی کوئی اپنی مخصوص روش نہیں اختیار کریں گے تو ہم اُن ہی کی نقل کرتے رہیں گے اس کی وجہ تو یہ تھی رہا موسیقی کا سوال اس کے بارے میں بدقسمتی سے ہمارے ہاں ایک خاص طرح کا تعصب پیدا ہوا جس کا تعلق موسیقی سے نہیں تھا بل کہ اس طبقے سے تھا یا موسیقی کی اس صورت سے تھا جو خاندانِ مغلیہ کے زوال کے وقت برصغیر میں پیدا ہوئی۔ ہوا یہ کہ جب

سوال: معاف کیجیے گا آپ نے فرمایا کہ مغلیہ خاندان کے زوال کے وقت؟

جواب: زوال کے وقت ہے؟

سوال: یا اس کے بعد؟

جواب: اور اس کے بعد اس وقت اور اس کے بعد۔

سوال: اس وقت تو یہ معاشرے کا بہت معزز حصہ تھا؟

جواب: اس کے آخری دور میں ہوا یہ کہ یہ فن جو تھا چند ایک بڑے اساتذہ کو چھوڑ کر ایک ایسے طبقے کے ہاتھ میں چلا گیا جو معاشرتی اعتبار سے کوئی موقر طبقہ نہیں تھا پھر یہ جب اس طبقے میں گیا تو اس کی صورت بھی ایسی ہوگئی کہ جو سنجیدہ لوگوں کے لیے زیادہ پسندیدہ نہیں تھی اس کے بعد انگریز آگئے تو ظاہر ہے کہ جو کسر رہ گئی تھی ان کی وجہ سے پوری ہوگی چناں چہ موسیقی نام ٹھہرا مُجرے کا اور کچھ گھٹیا قسم کی عیاشی کا دل لگی کا۔

سوال: وہ تو اب بھی باقاعدگی سے جاری ہے

جواب: وہی تو عرض کرنے لگا تھا کہ اب اس کے بارے میں ہمارا نظریہ صحیح ہوجانا چاہیے تھا۔ ہمیں چاہیے تھا کہ اس کے بارے میں اس طرح سوچیں کہ موسیقی جو ہے وہ ایک نہایت سنجیدہ ،شائستہ اور موقر فن ہے۔ اگر اس فن کو بعض پیشہ ور لوگوں نے اور ایسے لوگوں نے جو اس کی خوبی اور نفاست سے واقف نہیں تھے اگر انھوں نے اس کو بدنام کیا ہے تو طویلے کی بلا بندر کے سر نہیں جانی چاہیے۔

سوال: فیض صاحب! میں آپ کو یاد دلاؤں کہ وہ پہلی رپورٹ جس کا آپ نے ذکر فرمایا ہے۔ جب اس کی ترتیب ہو رہی تھی تو سوال پیدا ہوا تھا کہ کیا کلچر کی تعریف نہیں کی جاسکتی ہے اور فیصلہ ہوا تھا کہ کلچر کی تعریف کی جاسکتی مگر ساتھ ہی ساتھ یہ فیصلہ بھی ہوا تھا کہ کلچر کی Functional تعریف ہوسکتی ہے۔ میں صرف یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ اختلافات اور تضادات جو آپ بتاتے ہیں کیا یہ اسی لیے ہیں کہ کلچر کو تمام دنیا میں (National Identity) کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور یہاں جن لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ کلچر کی کیا تعریف ہے، کیا function ہے، ان کے سامنے یہی مسئلہ ہے کہ اگر ہم کلچر کی تعریف کرلیں تو ہم اپنی National Identity کو سامنے لاسکتے ہیں اور اس کو فروغ دے سکتے ہیں کیوں کہ اس کے بغیر پاکستان کی بنیادیں مضبوط نہیں ہوسکتیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ علاقائی کلچرز جو ہیں ان میں تضادات کو اختلاف یا فرق کہتے ہیں تضاد نہیں۔ اس فرق کو تضاد میں تبدیل نہ ہونے دیا جائے اس کا آپ کے پاس کیا حل ہے؟

جواب: صاحب! اس کے لیے کوئی ایسا نسخہ تو آپ کے پاس نہیں ہے کہ تھوڑا سا پشتو ڈال دیں، تھوڑا سا بلوچی ڈال دیں، تھوڑا سا سندھی ڈال دیں۔ وہ تو ایک ایسی چیز ہے جو ارتقائی چیز ہے۔ پہلے ایک اصول طے کر لیا جائے، ایک راستہ متعین کر لیا جائے ایک سمت متعین کر لی جائے۔ مثال کے طور پر سندھ میں کسی نے لال شہباز قلندر گا لیا تھا وہ گیت نہ صرف سارے

پاکستان میں مقبول ہوگیا بل کہ پاکستان سے باہر آسٹریلیا تک وہ گیت گایا جاتا ہے۔اب بلوچستان سے کوئی بڑا فنکار آتا ہے فیض بلوچ،مثال کے طور پرآتا ہے تو ایسا ہی محسوس ہوتا ہے جیسے یہاں کا کوئی فن کار ہو،اس طریقہ سے یہاں سے کوئی ہمارا اچھا فن کار مثال کے طور پر امانت علی خان تھے یا شریف خاں پونچھ ہیں یا عوامی فنکاروں میں سے عالم لوہار ہیں یا سائیں اختر حسین ہیں وہ کہیں جا کے گائے گا تو سب لوگ سنیں گے۔ایک ترکیب تو یہ ہے کہ یہ جو صورتیں ہیں ہمارے فن کی،ان کو ایک دوسرے سے روشناس کرانے کے لیے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کی جائیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے مشترک اجزاء کو تحقیقی انداز میں تلاش کرکے لوگوں کے سامنے شعوری طور پر پیش کیا جائے۔تیسری یہ کہ جو اہل فکر لوگ ہیں انھیں اس بات پرآمادہ کیا جائے کہ وہ اس سلسلے میں کسی نقطہ نظر پر متفق ہوجائیں اور پھر کچھ عرصے کے بعد میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کے نتائج آپ کے سامنے آجائیں گے اس لیے کہ یہ کوئی ایسا نسخہ نہیں کہ فوری طور پر اس کو کسی کے سامنے پیش کیا جاسکے لیکن پہلے تو یہ متعین کرنا چاہیے۔میں سمجھتا ہوں کہ اس صورت میں یہی کہ زیادہ سے زیادہ تبادلے ہوں ان میں جو چیزیں مشترک ہوں ان پر زیادہ زوردیا جائے وضاحت کی جائے تشکیل کی جائے ان کولوگوں کے سامنے پیش کیاجائے۔

سوال: آپ نے فرمایا کہ ہمیں حال کے کلچر کوفروغ دینا چاہیے اب حال کے کلچر میں ایسے عناصر بھی شامل ہوگئے ہیں جن کو بیرونی کہا جاسکتا ہے ان کے متعلق اب آپ کی کیا رائے ہے کس طرح اس فروغ کو ضروری طور پر روکنا چاہیے کیوں کہ اسکا Capitalist ملکوں سے بڑا تعلق ہے اس پر کتابیں لکھی جاچکی ہیں کہ یہ جو پپی لوگ آتے ہیں ان کو خاص طور پر اس لیے بھیجا جارہا ہے کہ Third World کے جو نوجوان ہیں وہ اسی طرح کے انداز میں آجائیں اور کام کرنا چھوڑ دیں۔

جواب: صحیح ہے، مجھے پورا اتفاق ہے آپ سے،عرض یہ ہے کہ اگر یہ جو بیرونی اثرات ہیں ان کا نفوذ بڑھ رہا ہے ہمارے ہاں۔تو کیوں بڑھ رہا ہے اس لیے بڑھ رہا ہے کہ ہم نے اپنے ہاں ثقافت اورفن کوکوئی مقام نہیں دیا اگر ہم نے اپنے ہاں قبول کیا ہوتا کہ یہ ہماری ثقافت ہے،یہ ہمارا موقف ہے اور یہ اس کی صورت ہونی چاہیے اور اس کومعتبر طریقے سے لوگوں کے سامنے پیش کیا ہوتا تولازمی طور پر ان بیرونی اثرات کا زور اتنا نہیں بڑھتا اور اب اگرآپ چاہتے ہیں کہ نفوذ جو ہے ہمارے ہاں حملہ ہی ہے ایک طرح کا اس جارحیت کوکم کیا جائے تو یہ نہیں کہ اس کو بند کردیں بل کہ اپنی کوئی متبادل صورت پیدا کریں لوگ گنگنائیں گےتو ضرور۔

سوال: میرے خیال میں کلچر کے بارے میں میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ کلچر کسی قوم کا روّیہ ہوتا ہے اور یہ ایک مسلسل عمل ہوتا ہے جیسے دریا بہتا جاتا ہے اس طرح ثقافت بھی بہتی جاتی ہے اونچے نیچے میدان میں،کبھی پہاڑوں پر سے گزرتی ہوئی اور ایک خاص نشان پیچھے چھوڑتی جاتی ہے۔اب پاکستانی قوم کے لیے پاکستانی کلچر کے لیے بار بار ہم لوگ ایک ترکیب استعمال کرتے ہیں کہ اس کلچر کوفروغ دینا چاہیے۔یہ بات مجھے بہت مضحکہ خیز معلوم ہوتی ہے کلچر کوفروغ دینے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے پاس کبھی کوئی ثقافت نہیں تھی۔اوراب ہم نے کہیں سے اچانک کوئی چیزDiscover کرلی ہے اوراب ہم چاہتے ہیں کہ اس کو پھیلنے پھولنے دیں۔کیا آپ کے نزدیک یہ کہنا درست ہے کہ ہم اپنے کلچر کوفروغ دیں کہ یا یہ جو کلچر ہمارا تھا اگر کسی طرح اس کی ہم نشاندہی کرسکیں اور کہیں کہ اس کو زندہ رکھنا ضروری ہے۔ وقت کے تقاضے کے ساتھ ہمکنار کرنا ضروری ہے۔اس کو آگے بڑھانا ضروری ہے اگرفروغ دینے سے یہی مطلب ہے تو مرا سوال بے کار ہے اور اگرفروغ دینے سے یہ

مطلب ہے کہ ہم شعوری طور پر کوشش کریں اور کوئی کلچر اپنائیں تو یہ بات مجھے بالکل غلط لگتی ہے۔آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

جواب: میں نے عرض کیا کہ کلچر میں دو اجزاء ہوتے ہیں، دو پہلو ہوتے ہیں ایک تو یہ ہے جسے ہم فنون یا Arts کہتے ہیں۔ وہ تو ایسی چیز ہے جسے ہم فروغ دے سکتے ہیں وہ ارادی چیز ہے وہ افراد پیدا کرتے ہیں اور انھیں فروغ دینے کے لیے آپ کو بعض چیزیں کرنی پڑتی ہیں ورنہ وہ ختم ہوجاتے ہیں۔ یا ان میں خرابی واقع ہوجاتی ہے کلچر کا یہ ایک حصہ ہے اور بہت ضروری حصہ ہے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا کہ آپ اس کو شعوری طور پر فروغ دے سکتے ہیں۔ اور دینا چاہیے اس کے لیے آپ کو نئی صورتیں وضع کرنی پڑیں گی اور موجودہ صورتوں میں ترمیم بھی کرنی پڑے گی۔ ممکن ہے کہ بعض پرانی صورتیں دوبارہ رائج بھی کرنی پڑیں۔ وہ تو ایک شعوری فعل ہے باقی جو کلچر ہے جسے آپ کہتے ہیں کہ روّیے کا نام ہے، زندگی کا نام ہے، تو طرزِ زندگی کا نام ہے،تو وہ، تو میں نے عرض کیا تھا کہ وہ ایسی چیز ہے جو معاشرے کی پورے اجتماعی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے۔ جیسے ہی وہ زندگی بدلے گی ویسے ہی اس کی صورت بدلے گی، اس کو اگر آپ بدلنا چاہئیں تو اس کے لیے آپ کو معاشرے کی صورت بدلنی ہوگی۔ اس کو آپ الگ طریقے سے نہیں بدل سکتے۔اس پر مجھے آپ سے اتفاق ہے۔ اگر آپ یہ کہیں کہ ہمیں اپنے کلچر کو فروغ دینا ہے تو اس کے لیے تو آپ کو اپنے معاشرے کو فروغ دینا ہوگا۔اس میں جو خرابیاں ہیں وہ دور کیجیے۔اس کے بعد اس میں جو خرابیاں ہیں، پریشان خیالی ہے وہ خود بخود دور ہو جائے گی۔ لیکن فنون کا مسئلہ مختلف ہے اس کو آپ شعوری طور پر فروغ بھی دے سکتے ہیں اور اس کی صورتیں بھی تبدیل کر سکتے ہیں۔

سوال: ہمارے ہاں تہذیب اور ثقافت کو کلچر کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے آپ کے ایک مضمون کا عنوان بھی ایسا ہی تھا اور آج کا موضوع بھی ایسا ہی ہے یہ کہاں تک ٹھیک ہے؟

جواب: جہاں تک تہذیب اور کلچر کا فرق ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔تہذیب جو ہے وہ کلچر کی ظاہری صورت ہے یعنی کلچر جو روزمرہ ہے۔ آپ کی زندگی تھا، اس کا اظہار آپ جن صورتوں میں کیا کرتے ہیں۔ فنونِ لطیفہ کی صورتوں میں، مختلف علوم کی صورتوں میں فنون کی صورتوں میں اس کی متشکل جو صورت ہے اس کو میں سمجھتا ہوں کہ Civilization کہتے ہیں۔ میں تو تہذیب کو کلچر ہی کے معنوں میں استعمال کرتا ہوں۔ اس لیے کہ مجھے کوئی خاص فرق اس میں دکھائی نہیں دیتا۔ کلچر کو اگر طرزِ زندگی کے معنوں میں استعمال کیا جائے تو تمدن کہنا چاہیے۔ لیکن یہ تو محض الفاظ کی بحث ہے میں سمجھتا ہوں کہ خاص فرق نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم کلچر اور Civilization کو الگ کرنا چاہئیں تو کلچر طرز زندگی کا نام ہے۔ اور اس کی جو متشکل صورتیں ہیں مختلف قسم کی ان کو ہم Civilization کہتے ہیں۔

سوال: آپ نے حکومت کی یہ کوتاہی بیان کی ہے کہ اس نے ثقافت کو وہ درجہ نہیں دیا جو اسے دینا چاہیے تھا۔مثال کے طور پر نصاب میں کوئی ایسی چیز شامل نہیں ہے یا کوئی اس کی منسٹری الگ نہیں یا اس کے کوئی عہدہ دار نہیں۔ آپ کے خیال میں حکومت کو کہاں تک اس میں مداخلت کرنی چاہیے کیوں کہ حکومتِ وقت تو بالآخر ایک جماعت کی ہوتی ہے؟

جواب: بات یہ ہے کہ اگر آپ ذرا تاریخ پر نظر ڈالیں تو یورپ میں یہ ہوا تھا کہ جب فیوڈلی نظام کا زوال ہوا۔ جو لوگ کلچر کے مربی

اور سرپرست تھے جب ان کا زوال ہوا تو ان کے بجائے ایک دوسرا طبقہ پیدا ہوا، جس کو ہم سرمایہ دار طبقہ کہتے ہیں اور اس نے فن کی قدردانی کی ذمہ داری سنبھال لی۔ چناں چہ حکومتوں کو زیادہ دخل دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ اس لیے صاحبِ ثروت طبقہ تھا جنھوں نے تھیٹر بنائے، گیلریاں بنوائیں، آرٹسٹوں آرٹ، مال تجارت بنا دیا اور بیچنے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پرانے فیوڈل آرٹ کی جگہ ایک نیا آرٹ ان کے ہاں پیدا ہوا اور اس کے قدرداں پیدا ہوگئے ہمارے ملک میں بدقسمتی سے جو پرانا طریقہ تھا اور جو قدردان اور مربی تھے، جاگیردار تھے، نواب تھے، ان کی جگہ سرمایہ دار پیدا نہیں ہوئے انگریز پیدا ہوگئے اور انگریزوں نے کہا کہ یہ تمہارا آرٹ، کلچر بکواس ہے۔ آرٹ اور کلچر سب ہمارے پاس ہے اس لیے تم ہمارا کلچر سیکھو اپنا سب کچھ بھول جاؤ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سو ڈیڑھ سو سال میں جو کچھ ہمارے پاس تھا وہ سب ضائع ہوگیا۔ اب جب ہمیں آزادی ملی تو پبلک میں سے ایسا کوئی طبقہ ہمارے پاس موجود نہیں تھا جو اس کی ذمہ داری سنبھال لیتا نتیجہ یہ کہ لازماً یہ ذمہ داری حکومتوں پر آ گئی وہ جس حد تک اس سے عہدہ برآ ہوئے یا نہیں وہ آپ خود فیصلہ کرلیں لیکن موجودہ صورتحال میں جب تک ہماری پبلک میں اتنے ذرائع نہیں کہ وہ اس کی پرورش کا انتظام کرسکیں۔ اس وقت تک لازماً ہمیں حکومت سے رجوع کرنا پڑے گا اس کے سوا چارہ کار کیا ہے؟

سوال: عوامی سطح پر بھی کام ہوسکتا ہے؟

جواب: اب عوامی سطح پر ایک حد تک ہی کام ہوسکتا ہے اگر آپ ڈرامہ کرنا چاہئیں گے تھیٹر کی ضرورت ہوگی اس لیے پیسے کون دے گا؟ اگر عوام پیسے دینے کو تیار ہیں تو ظاہر ہے کہ ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہیں لیکن ابھی تک عوام میں کوئی ایسا طبقہ نہیں ہے جو اس کی کفالت کرسکے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک عبوری دور ہے، اس میں تھوڑے عرصے کے بعد جب کہ وسائل مہیا ہوجائیں گے تو خود بخود عوام، پبلک اور ایک ایسا طبقہ پیدا ہوجائے گا جو اس کی کفالت بغیر مدد کے کرسکے گا لیکن اس وقت میں سمجھتا ہوں کہ ایک حد تک اس کی ضرورت ہے۔ پھر دیکھیے جو ترقی یافتہ ملک انگلستان ہے تھیٹر بھی موجود ہے پبلک بھی موجود ہے۔

سوال: ہماری ثقافت میں جو چیزیں پانچ ہزار سال پرانی ہیں ان کو Preserve کرنے کے بارے میں کیا ہو رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمارا دوسرا ثقافتی سرمایہ بھی ہے جس کا ابھی ذکر ہوا ہے اس کو بھی محفوظ کرنا ضروری ہے۔ ضرورت ہے کہ کوئی انسٹی ٹیوٹ ہو، کیا اس کے قیام کا امکان ہے؟

جواب: بجا ہے، ایسی ایک چھوٹی سی کوشش تو کی گئی ہے۔ اسلام آباد میں ہم نے ایک ادارہ قائم کیا ہے Folkheri Tage کا۔ اس کا ایک چھوٹا سا سیل یہاں بھی بنا ہے۔ کلاسیکی موسیقی کو Doloment کرنے کے لیے مجھے آپ سے پورا اتفاق ہے۔ بدقسمتی سے ایک خرابی یہ ہے کہ ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں بہت ہیں، جس سے کوشش اور پیسے کا زیاں ہوتا ہے۔ ریڈیو بھی وہی کام کررہا ہے، ٹیلی وژن یہی کام کررہا ہے۔ محکمہ اطلاعات اور محکمہ تعلیم بھی وہی کام کررہے ہیں، صحت کے محکمہ میں بھی وہی کام ہورہا ہے۔ تمام چیزیں بکھری ہوئی ہیں۔ ان کو یک جا کرکے بہترین نتائج پیدا ہوسکتے ہیں اور وسائل کی کمی کی شکایت بھی دور ہوسکتی ہے۔ اگر صاحبِ ثروت اشتراک سے کام کریں تو یہ کام بہتر طریقے سے ہوسکتا ہے۔

سیّد وقار عظیم

خواتین وحضرات!

حکایت بڑی لذیذ، لطیف تھی اس لیے اس نے طول کھینچا اور ابھی اور گنجائش تھی طول کھینچنے کی لیکن ہر حال ہم نے چند حد بندیاں کی ہیں۔ زندگی میں تمام چیزوں کی اور اس لیے مجھے اکبر کا شعر یاد آ رہا ہے۔ ایسے موقعوں پر اکثر یاد آتا ہے۔ جو فلسفی کی الجھن کے بارے میں ہے کہ جوں جوں خدا کو ڈھونڈتا ہے ڈور کا سرا الجھتا جاتا ہے۔ آج کی بحث کے بارے میں میں یہ نہیں کہوں گا کہ ڈور کا سرا نہیں ملا یا الجھ کر رہ گئی ڈور کا سرا ملا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ سرا یہ ہے کہ پاکستانی ثقافت کے مسئلے کو ہم سیاسی سمجھنے کے بجائے یا ذاتی عناد اور علاقائی عصبیت کا مسئلہ بنائے بغیر اس پر علمی اور تہذیبی نقطۂ نظر سے غور اور تحقیق کریں۔ آج کی بحث سے مسئلہ حل نہیں ہوا لیکن اس کے راستے ہمارے سامنے ضرور آئے۔ خدا کرے ہم ان راستوں پر عمل کر سکیں ان راستوں میں سے سب سے اہم راستہ وہی ہے علمی راستہ۔ پہلے ہمیں ان چیزوں کا تعین کرنا ہے کہ ثقافت کا جو ورثہ ہم لے کر آئے تھے اور جس کو محفوظ رکھنے کے لیے ہم نے پاکستان بنایا تھا اس کے عناصر کیا ہیں۔ اس کا تعین بے حد ضروری ہے کیوں کہ اسی اساس پر اس ثقافت کی بنیاد رکھی جائے گی جو مختلف علاقوں سے ہمیں ملے گی وہ ثقافت ہمیں بے حد عزیز ہے اور ان ثقافتوں کا جن کا ذکر آیا ہے ان میں الگ الگ علاقوں میں ہونے کے باوجود مشترک عناصر ہیں۔ تحقیق کو ان مشترک عناصر کو یک جا کرنا ہے۔ ہمارے پچھلے تہذیبی ورثے کی بنیاد رکھی جائے گی جو مختلف علاقوں سے ہمیں ملے گی۔ وہ ثقافت ہمیں بے حد عزیز ہے۔ ہمارے پچھلے تہذیبی ورثے میں جو کچھ ہے، اسے یک جا کر کے اس طرح کے ادارے قائم کیے جائیں جو ان چیزوں کو مغربی اثرات کا کیسے مقابلہ کیا جائے جو ان چیزوں کو نئے سرے سے ان اخلاقی اقدار کے نقطۂ نظر سے جو ہماری ثقافت کا لازمی حصہ ہیں جن پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ مختلف علاقوں کے مسلمانوں کا اخلاق ہے۔ ایک ہی طرح سلام کرتے ہیں ایک ہی طرح جھک کے ملتے ہیں وہی وضع داری، شرافت اور ایثار ہے یہ چیزیں بھی زندگی میں اسی وقت داخل ہوئیں جب ہم یہ سوچنے لگے کہ یہ میراث ہیں ہم کہیں باہر سے لے کر نہیں آئے۔۔ یہ یہیں موجود تھی اس لیے موجود تھی کہ سرحد کا جو علاقہ ہے، پنجاب کا جو علاقہ ہے وہ اسی مشترکہ تہذیب کا علاقہ تھا۔ جو مشترک ورثہ ملا ہے اس کا کچھ نہ کچھ حصہ سرحد میں، سندھ میں، پنجاب میں پہلے سے موجود ہے۔ ان چیزوں کا سراغ تو ہمارے سامنے ہے۔ اب تحقیق اور علمی جستجو کو نیک نیتی اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ، قومی اعلیٰ ظرفی کے ساتھ اس اشتراک کی جستجو کرنی ہے اور اس کو عملی شکل دینے کے لیے اقدامات کرے۔ اب رہ گیا عملی اقدامات کا سوال کہ الحمد اللہ کو رائج کیا جائے یا نہیں تو جیسا کہ فیض صاحب نے فرمایا ہے جب ہم سب اپنے آپ کو بہتر بنا لیں گے تو یہ مسئلہ خود بخود حل ہو جائے گا اس کا راستہ وہی ہے جو فیض صاحب اور آپ کی گفتگو نے معین کیا ہے۔

اس مجلس میں ایسی باتیں ہوئی ہیں جن کو اگر ہم گرہ سے باندھ لیں تو یقیناً مفید نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

Abstract

This is the complete and unpublished text of a discussion by Faiz Ahmad Faiz recorded and telecasted by Pakistan Television. The

host and the compare of the programme was Prof. Dr. Vaqar Azeem, a renowned scholar and critic of Urdu Literature. The topic under discussion was "Pakistani Culture" and Faiz, in his talk has attempted to define and explain the meanings and connotations of the term "Culture" as quoted by different segments of the society. He has also discussed the various aspects and dimensions of Pakistani Culture which embraces all varieties of different regions and provinces of Pakistan.